تدوین حدیث

محاضرۂ چہارم

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی سابق صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

(۱۶)

حضرت عثمانؓ اپنے رفقار کے ساتھ جب دسترخوان پر بیٹھے، تو دیکھا کہ بعض لوگ کھانے سے رک رہے ہیں وجہ دریافت کی تو لوگوں نے کہا کہ قافلہ میں حضرت علیؓ بھی ہیں، ان کا بیان ہے کہ حج کے احرام کی حالت میں شکار کے گوشت کا کھانا جائز نہ ہوگا' سننے کے ساتھ ہی حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ نے بلا بھیجا، دونوں میں گفتگو ہوئی، حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ

یہ شکار ہے جسے نہ میں نے شکار کیا ہے، اور نہ اس کے شکار کرنے کا حکم میں نے دیا تھا گاؤں والے جو احرام کی حالت میں نہ تھے، یہ ان کا شکار کیا ہوا ہے، اور میرے پاس ان ہی لوگوں نے کھانے کے لئے بھیجا ہے، پھر اس کے کھانے میں کیا مضائقہ ہے

علی کرم اللہ وجہہ نے یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کا تذکرہ فرماتے ہوئے کہا کہ

احرام ہی کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک گورخر کا ران تحفہ میں ایک شخص نے پیش کی تھی لیکن رسول اللہ نے فرمایا کہ ہم لوگ احرام کی حالت میں ہیں، بس چاہئے کہ یہ ان لوگوں کو کھلا دی جائے جو احرام کی حالت میں نہیں ہیں

بعض دوسرے صحابی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس سفر میں ساتھ تھے، انھوں نے بھی اس کی تصدیق کی، بہرحال کہنا یہ ہے کہ جو لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی یہ روایت

حضرت عثمانؓ کو بھی لکھا ہے کہ دسترخوان سے اٹھ گئے اور اپنے خیمے میں چلے گئے اور گاؤں والوں نے اس کھانے کو کھالیا۔

فدخل رحله واكل ذلك الطعام اهل الماءؔ — مسند احمد ص۱۰۰

اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے اجتہاد و تفقہ کی روشنی میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس نتیجہ تک پہونچے تھے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سن کر اس سے دستبردار ہو گئے حالاں کہ چاہتے تو گفتگو کر سکتے تھے اور بعد کو جیسا کہ حاشیہ کے تفصیلات سے معلوم ہوا ہوگا ائمہ اجتہاد کی اکثریت نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیان کی ہوئی اس روایت کے مقابلہ میں ابو قتادہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کو ترجیح دی، حنفیوں اور مالکیوں کا یہی مذہب

۱ اس مسئلہ میں کہ خشکی کے شکار کو بحالت احرام کسی نے خود شکار نہ کیا ہو بلکہ جو حالت احرام میں نہ ہو اسی کا شکار کیا ہوا ہو کیا احرام کی حالت میں اس شکار کے گوشت کو آدمی کھا سکتا ہے یا نہیں امام ابو حنیفہ کا مذہب بھی نقل کیا جاتا ہے کہ کھا سکتا ہے لیکن شوافع حضرت علیؓ کی اسی روایت کی بنیاد پر کھانے کی اجازت نہیں دیتے مسئلہ میں ہر فریق کے دلائل فقہ و حدیث کی شروح میں تلاش کیجئے، حنفیہ کا خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ران اس لئے واپس نہ کی تھی کہ اس کا کھانا بحالت احرام ناجائز تھا کیونکہ دوسری روایت صحاح ہی کی حضرت ابو قتادہؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت نے خود بھی احرام کی حالت میں اس قسم کے شکار کے گوشت کو استعمال فرمایا اور دوسروں کو بھی اجازت دی۔ پس ران کے واپس کرنے کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ احرام کی حالت میں شکار کرنے کی ہمت افزائی نہ ہو یعنی ممانعت سداً للذریعہ کے دفعہ کے تحت کی گئی تھی ۱۲

۲ یہ روایت صحاح ستہ کی ہر کتاب میں مل سکتی ہے، روایت چوں کہ ذرا دلچسپ ہے جی چاہتا ہے کہ اس کا تذکرہ کر دوں، ابو قتادہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم احرام باندھ کر صحابیوں کے ساتھ مکہ معظمہ کے قصد سے تشریف لے جا رہے تھے، یہ صلح حدیبیہ والے سفر کا واقعہ ہے، ابو قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے احرام نہیں باندھا تھا لیکن احرام بندوں کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں سے آگے تشریف لے جا رہے تھے بہرحال میں ان ہی احرام بند لوگوں کے قافلہ میں تھا میری چپل ٹوٹ گئی تھی اسے درست کر رہا تھا۔ اچانک ان ہی لوگوں کی جو احرام کی حالت میں تھے ایک گورخر پر نظر پڑی۔ میں تو چپل کے سینے میں مشغول تھا گورخر کے دیکھنے والے چوں کہ حالت احرام میں تھے اور قاعدہ ہے کہ احرام کی

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

ہے جیسے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان الفاظ میں بیش کیا تھا،

صید لم نصطدہ ولم نامر بصیدہ | شکار ہے جسے نہ میں نے خود شکار کیا اور نہ شکار
اصطادہ قوم حل فاطعموناہ | کرنے کا اس کے حکم دیا، یہ ان لوگوں نے شکار
فما باس | کیا ہے جو احرام بند نہ تھے انھوں نے میرے
 | پاس کھانے کے لئے بھیجا تو اس کے کھانے میں
 | کیا مضائقہ ہے

لیکن سچی بات یہ ہے کہ فطرۃً وہ بڑے نرم دل آدمی تھے، اختلاف اور مقابلہ پڑ جانے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حالت میں شکار کرنے کی بھی ممانعت ہے اور شکار کی طرف اشارہ کرنے کی بھی، گورخر کے دیکھنے والے سخت کش مکش میں تھے مجبور تھے وہ کچھ کہہ بھی نہیں سکتے تھے، لیکن دل سب کا چاہتا تھا کہ میں چونکہ احرام کی حالت میں نہیں ہوں کاش میری نظر اس گورخر پر پڑ جاتی ابو قتادہ سے بعض روایتوں میں یہ بھی مروی ہے کہ گورخر کے دیکھنے والی جماعت میں بعض لوگوں نے بعض کو دیکھ کر آپس میں ہنسنا شروع کیا شاید ان کے ہنسنے پر ان کی نظر اٹھی، سامنے دامن کوہ میں گورخر کھڑا ہوا تھا، اس پر نظر پڑ گئی، ابو قتادہ بڑے مشاق شکاری تھے۔ نظر پڑنے کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر چاہا کہ گورخر پر حملہ کریں لیکن جلدی میں نہ کوڑا ہی لے سکے تھے اور نہ نیزہ، تب ان احرام بند لوگوں سے کہا کہ میرا کوڑہ اور نیزہ تو دے دو لیکن سبھوں نے شکار کرنے کے اس فعل میں امداد دینے سے انکار کیا، حضرت ابو قتادہ کہتے ہیں کہ مجھے ان کے انکار پر غصہ بھی آیا مگر کرتا کیا گھوڑے سے اترا، کوڑے اور نیزے کو لے کر میں نے گھوڑے کو گورخر پر ڈال دیا بہت جلد وہ میری زد میں آ گیا نیزے سے میں نے اس کو گرا لیا، جب شکار ہو چکا تو ان احرام بندوں نے گوشت کے کھانے میں شرکت کی مگر بعد کو لوگ شک میں مبتلا ہوئے، ابو قتادہ کہتے ہیں کہ اس گورخر کی ایک ران میں نے چھپا لی تھی اسی حال میں قافلہ آگے روانہ ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نفہ بیش کیا گیا، یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کچھ گوشت باقی بھی رہ گیا ہے، ران جسے میں نے چھپا رکھی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کو پیش کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کا گوشت تناول فرمایا حالانکہ آپ بھی احرام ہی کی حالت میں تھے بعض روایتوں میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے دریافت کیا کہ احرام بندوں سے کسی نے شکار کی طرف اشارہ تو نہیں کیا تھا ۱۲

سے ان کی طبیعت کو دور کا لگاؤ بھی نہ تھا، حدیث پیش کی گئی خاموش ہو گئے، اور اسی پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

مگر اسی کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ آپ کی اسی فطری نرم مزاجی اور نرمیلی طبیعت نے لوگوں کی ہمتیں بلند کر دیں گو اپنی حد تک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خدمت کے متعلق جو کچھ وہ کر سکتے تھے کرتے رہے، لیکن عنقریب معلوم ہوگا کہ "حدیث" میں فتنے کی ابتدا جن لوگوں کی راہ سے ہوئی یہ وہی تھے جن کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نرم حکومت نے بدبختانہ جسارتوں کے ارتکاب کے مواقع فراہم کر دئے تھے۔

میں نے پہلے بھی کہیں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عام عادت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے کوئی بات آپ کے سامنے اگر کوئی بیان کرتا تو آپ اس سے قسم لیتے تھے شاید اس کی ایک وجہ عہد عثمانی کے وہ فتنے اور فساد بھی ہوں جو مسلمانوں میں پھوٹ پڑے تھے یوں بھی اسلام کا دائرہ بہت زیادہ وسیع ہو چکا تھا، نہ صرف مقبوضات کا بلکہ مختلف اقوام اور طبقات کے لوگ مسلمان ہو ہو کر اسلامی جماعت میں فوج در فوج شریک ہوتے چلے جاتے تھے، جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا ان میں طرح طرح کے لوگ تھے، سب کے ایمان و اسلام کی وہی حالت نہ تھی جو صحابہ کرام کی تھی ان ہی امور کے احساس کا غالباً یہ نتیجہ بھی تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ عموماً منبر سے اس حدیث کا اعلان فرمایا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے،

لا تکذبوا علی فانہ من یکذب علی یلج فی النار۔ مسند احمد ج ۱ ص ۸۳

میری طرف جھوٹی بات ہرگز منسوب نہ کیا کرو جو میری طرف منسوب کر کے جھوٹی بات بیان کرتا ہے وہ آگ میں جھونکا جائے گا

نہ صرف دوسروں ہی کے متعلق یہ فرماتے تھے بلکہ خود اپنی طرف اشارہ کر کے آپ نے متعدد موقعوں پر اس فقرے کو دہرایا ہے کہ

لان اخرمن السماء احب الی	آسمان سے میں گر پڑوں یہ میرے لئے زیادہ آسان
من ان اکذب علی رسول اللہ	ہے اس بات سے کہ رسول اللہ کی طرف غلط بات
صلی اللہ علیہ وسلم مسند احمد ج۱ ص۸۱	کو منسوب کرکے بیان کروں۔

اور جیسے دوسروں سے آپ قسم لیتے تھے اسی طرح یہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ پوچھنے والا حضرت علیؓ کی کسی حدیث کے بیان کرنے کے بعد اگر پوچھتا کیا واقعی آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے تو جواب میں خود بھی قسم کھاتے ہوئے فرماتے

ای ورب الکعبۃ مسند احمد ص۱۳۱ ج۱	ہاں (آنحضرت نے فرمایا) قسم ہے کعبہ کے رب کی

حالاں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت تک نبوت سے زمانہ کا فاصلہ کافی دور ہوچکا تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو باتیں آحاد کی شکل میں حضرت علیؓ تک پہنچی تھیں میں نے پہلے بھی کہیں لکھا ہے کہ خود ذاتی طور پر ان کا ایک حصہ حضرت علیؓ کے پاس مکتوبہ شکل میں تھا جس کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان حدیثوں کو آپ نے کس زمانہ میں قلم بند فرمایا تھا تاہم لکھی ہوئی شکل میں ان کے پاس کچھ حدیثیں ضرور تھیں جن کا لوگوں کے دریافت کرنے پر آپ یہ اقرار بھی فرماتے تھے کہ میری تلوار کی نیام میں وہ رکھا ہوا ہے لیکن اس کی اشاعت عام آپ نے نہ ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں کی، نہ عمرؓ کے عہد میں نہ عثمانؓ کے حتیٰ کہ خود آپ کے خلافت کے عہد میں بھی لوگوں نے چاہا کہ عام لوگوں میں ان حدیثوں کی اشاعت کردی جائے مگر جہاں تک روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس سے انکار کرتے رہے، لیکن جب اصرار حد سے زیادہ لوگوں کا گذر گیا، نیز خیال بعضوں کا یہ ہونے لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کچھ خاص باتوں کی وصیت کی ہے اور اس سے مختلف قسم کے مغالطوں میں مبتلا کرنے کا موقعہ ان لوگوں کو مل رہا تھا جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں فساد اور فتنے کا ایک باضابطہ پروگرام تیار کیا تھا تو جیسا کہ مسند احمد میں ہے کہ آخر ایک دن آپ نے کہا کہ

ماعھد الی رسول اللہ صلی اللہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام لوگوں سے

علیہ وسلم شیئاً خاصۃ دون الناس الا شیئ سمعتہ منہ فھو فی صحیفۃ فی قراب سیفی

الگ مجھ سے کوئی ایسی بات بطور عہد کے نہیں فرمائی ہے بجز اس کے کہ میں نے آپ سے چند باتیں سنی ہیں وہ اس صحیفہ میں لکھی ہوئی ہیں جو میری تلوار کی نیام میں رکھا ہوا ہے۔

آگے راوی کا بیان ہے کہ

فلم یزلوا بہ حتی اخرج الصحیفۃ

لوگ (اس صحیفہ کے دکھانے پر) مصر ہوئے یہاں تک کہ آپ نے اس صحیفہ کو (نیام) سے نکالا

صہ ۱۱۹ مسند احمد

ظاہر ہے کہ اس کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ کی خواہش تو یہی تھی کہ ان حدیثوں کی اشاعت میں جنہیں آپ نے اپنی یادداشت کے لئے قلم بند فرما لیا تھا، عمومیت کا رنگ پیدا نہ ہو، لیکن لوگوں کی طرف سے اصرار میں شدت بڑھتی چلی گئی نیز خطرہ اس کا ہوا کہ خدا جانے لوگ کیا سمجھ بیٹھیں، آپ نے لوگوں کو دکھا دیا کہ اس میں معمولی دینی مسائل ہیں، اس قسم کے شکوک کا اس سے ازالہ بھی ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صیغۂ راز میں ان کو کچھ خاص رموز و اسرار کی نوعیت کی چیزیں وصیت فرمائی تھیں جنہیں مختلف طریقوں سے لوگوں نے پھیلانا شروع کیا تھا۔ خود ان ہی روایتوں سے جن میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس صحیفہ کا ذکر ہے، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کے متعلق اس قسم کی باتیں لوگوں میں پھیلنی شروع ہو گئی تھیں مثلاً قتادہ ابوحسان کے حوالہ سے اسی صحیفہ علی کے قصے کو جب بیان کیا کرتے تھے تو شروع میں کہتے کہ ابوحسان بیان کرتے تھے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قاعدہ تھا کہ جب کسی کام کے کرنے کا حکم دیتے، اور لوگ آ کر عرض کرتے کہ جو حکم دیا گیا تھا، اس کی تعمیل ہو گئی تو زبان مبارک پر بے ساختہ صدق اللہ ورسولہ (اللہ اور اللہ کے رسول نے سچ کہا) کے الفاظ جاری ہو جاتے الاشتر النخعی نے ایک دن حضرت سے آ کر کہا کہ آپ کے اس طریقہ کا یعنی اس قسم کے مواقع میں صدق اللہ ورسولہ عام طور پر جو آپ فرما دیتے ہیں، لوگوں میں آپ کے

متعلق یہ بات پھیل گئی ہے اشتر نے اس کے بعد کہا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ خاص باتیں آپ سے کہی ہیں؟ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ غلط فہمیاں ضرور پھیلی ہوئی تھیں، مسند احمد ہی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ

یرحم اللہ علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ کان من کلامہ لا یری شیئا یعجبہ الا قال صدق اللہ ورسولہ فیذھب اھل العراق یکذبون علیہ ویزیدون علیہ فی الحدیث ص ج ۱	علی پر خدا رحم کرے بات کرنے میں ان کی عادت تھی جب کوئی حسب دلخواہ بات دیکھتے تو کہتے کہ سچ کہا اللہ اور اس کے رسول نے عراق والے (ان کے اسی عام فقرے کی بنیاد پر) ان کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرنے لگے اور بڑھا بڑھا کر ان کی طرف باتوں کو منسوب کرنے لگے

بلکہ مسند احمد ہی میں طارق بن شہاب کے حوالہ سے جو روایت نقل کی گئی ہے، یعنی طارق کہتے تھے،

رأیت علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی المنبر یخطب وعلیہ سیف حلیتہ من حدید فسمعتہ یقول واللہ ما عندنا کتاب نقرءہ علیکم الا کتاب اللہ تعالیٰ وھذہ الصحیفۃ اعطانیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیھا فرائض الصدقۃ ص ۱۱۹ ج ۱	میں نے منبر پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خطبہ دیتے ہوئے دیکھا ان کی کمر میں تلوار تھی جس کے دستے کی زینت لوہے سے کی گئی تھی میں نے اس وقت سنا وہ فرما رہے تھے کہ اللہ کی قسم ہے ہمارے پاس اللہ کی کتاب (قرآن) اور اس صحیفہ کے سوا کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جسے تم لوگوں کے آگے پڑھوں اور یہ صحیفہ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عطا فرمایا ہے اس میں صدقہ کے حصوں کی تفصیل ہے (یعنی قانون زکوٰۃ کی تفصیل)

اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں حضرت والا نے ضرورت محسوس فرمائی کہ پھر سر منبر ان غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جائے جو آپ کے متعلق پھیل گئی تھیں یا پھیلائی جا رہی تھیں عنقریب جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

لیکن کچھ بھی ہو، باوجود ان تمام باتوں کے کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہے کہ اپنے "نیامی صحیفہ" کی نقل لینے کی عام اجازت مسلمانوں کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دی ہو، بلکہ یہ واقعہ یعنی "صحیفہ علی" کے مضامین جن متعدد راویوں سے حدیث کی کتابوں میں منقول ہیں، ان میں یہ بات جو پائی جاتی ہے کہ ایک راوی جن اجزار کا ذکر کرتا ہے دوسرا ان کے ذکر سے خاموش ہے، بلکہ بجائے اس کے وہ دوسرے اجزار کا تذکرہ کرتا ہے، اگرچہ بعض اجزار ساری روایتوں میں مشترک ہیں، میرے نزدیک تو یہ بھی اسی کی دلیل ہے کہ ان راویوں میں سے کسی راوی کے پاس اس صحیفہ کی نقل موجود نہ تھی، بلکہ سن سنا کر جو باتیں جسے یاد رہ گئی تھیں ان ہی کو وہ بیان کرتا تھا[1]۔

خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں سے دریافت کرنے سے پہلے اس صحیفہ کے مضامین کو اپنی ذات ہی کی حد تک محدود رکھنا پھر ان لوگوں کے اصرار پر ان کو بتانا، بتانے کے بعد بھی عام نقل اس صحیفہ کی لوگوں میں جو نہ پھیلی تو اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ جیسے آپ کے

---

[1] مسند احمد میں پانچ راویوں سے "صحیفہ علی" کے مضامین منقول ہیں یعنی ابو حسان یزید بن شریک (ابراہیم تیمی کے والد)، طارق بن شہاب، قیس بن عباد، حارث بن سوید سبھوں نے بیان کیا ہے کہ صحیفہ علی میں فلاں فلاں مسائل تھے بعض مسائل تو سب کے بیان میں مشترک ہیں لیکن بعض چیزیں ایسی ہیں جو ایک کی روایت میں ہیں اور دوسرے کے یہاں بجائے ان کے دوسرے مسائل کا تذکرہ پایا جاتا ہے اسی حال کو دیکھ کر علمار نے لکھا ہے کہ صحیفۂ علی میں کافی مسائل تھے بہ ظاہر ملاطفہ کی شکل میں یہ صحیفہ تھا اسی لئے تلوار کی نیام میں لپیٹ کر رکھ دیا جاتا تھا حضرت علیؓ کے فتووں کی ایک کتاب کا ذکر آگے آ رہا ہے جس کی بہت سی چیزوں کو ابن عباس نے قلم زد کر دیا تھا۔ لکھا ہے کہ وہ بھی "ملاطفہ" ہی کی شکل میں تھا ۱۲

پیش رو خلفاء راشدین نے یہ خیال کیا تھا کہ ان کے زمانہ میں عمومیت کا رنگ اختیار کر کے آئندہ نسلوں تک جو چیزیں پہنچیں گی ان میں شریعت کے ان عناصر اور اجزاء کی وہی کیفیت پیدا ہو جائے گی جسے شارع علیہ السلام نے صرف "البینات" کی حد تک محدود رکھنا چاہا ہے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے بھی اپنے عہد خلافت تک یہ خیال باقی رہا تھا، جہاں تک ممکن تھا، اس کی نگرانی میں آپ نے بھی کمی نہیں فرمائی۔

لیکن پھر بھی اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس مسئلہ میں حزم و احتیاط اور اس کے متعلق دار و گیر میں جس تشدد اور سختی سے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کام لیا تھا، حضرت علیؓ کے طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ اتنی شدت اور کڑی نگرانی آپ کے نزدیک ضروری نہ رہی تھی، آخر سوچنا چاہئے کہ اسی خبر آحاد کے مجموعہ کو لکھ لینے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے جلا دیا تھا یا استشارہ و استخارہ کے بعد حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ کہ ان کے عہد خلافت میں حدیثوں کا جو مجموعہ حکومت کی طرف سے مدون کرایا جائے گا آئندہ چل کر قرآن کی ہم دوش و ہم سطح کتاب (یعنی مثناۃ کمثناۃ تورات) کی شکل اختیار کرے گا اور اسی فیصلہ کی بنیاد پر صرف یہی نہیں کہ اس خیال سے خود ہی دست بردار ہوئے بلکہ گذر چکا کہ آپ کے زمانہ میں جس کسی کے پاس لکھی ہوئی حدیثیں تھیں جہاں تک آپ کے امکان میں تھا سب کو ضائع کر دینے کا جو حکم آپ نے دیا تھا ان بزرگوں کے اس عمل کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس طریقہ سے کیا نسبت ہے اپنی ذاتی یادداشت ہی کے لئے سہی، لیکن بہرحال آپ نے چند خاص حدیثوں کو قلم بند تو فرمایا اور اپنی تلوار کی نیام میں اس کو محفوظ کر دیا تھا۔

سوال یہی پیدا ہوتا ہے کہ طرزِ عمل کے اس اختلاف کے اسباب کیا تھے؟ اتنی بات تو ظاہر ہے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت کا جو زمانہ تھا، عہد نبوت کی قرب کی وجہ سے قدرتاً خود اس زمانہ کے متعلق اور اس زمانہ کی چیزوں کے متعلق مسلمانوں کے قلوب میں احترام و تقدس کے جو جذبات تھے۔ جیسے جیسے دن گذرتے جاتے تھے احترام و تقدس کی اس

کیفیت میں اضمحلال کا پیدا ہونا ایک قدرتی بات تھی؛ ہو سکتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے طرزِ عمل کی تبدیلی میں کچھ اس کو بھی دخل ہو، ماسوا اس کے سیاسی حالات کے پیش رفت نے مدینہ منورہ چھوڑ کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنی خلافت کے زمانہ میں کوفہ کو پایۂ تخت خلافت جو قرار دینا پڑا اور اس کی وجہ سے کوفہ میں آپ کو قیام کرنا پڑا جیسا کہ معلوم ہے یہاں مسلمانوں کی بہت بڑی فوجی چھاؤنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں قائم ہوگئی تھی اور اس میں کوئی شبہ نہیں جیسا کہ ابن سعد وغیرہ نے لکھا ہے کہ

هبط الكوفة ثلاثمائة من اصحاب الشجرة وسبعون من اهل بدر

ص ۲ ج ۶ ابن سعد

کوفہ کو وطن بنا کر رہنے والوں میں تین سو تو ایسے صحابی تھے جنہوں نے الشجرہ (درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر موت کی بیعت کی تھی) اور ستر صحابی وہ تھے جو میدان بدر میں (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ جنگ میں شریک تھے

لیکن جس کوفہ کا حال یہ ہو جیسا کہ طبقات ہی میں ہے کہ

بها بيوتات العرب كلها ص ۶

اس میں عرب کے تمام قبیلوں اور خاندانوں کے لوگ تھے۔

اور بقول ابن خلدون عرب کے ان بیوتات کا حال یہ تھا کہ اس میں

سائر العرب من بني بكر بن وائل وعبد القيس وسائر ربيعة والازد وكندة وتميم وقضاعة وغيرهم فلم يكونوا من تلك الصحبة بمكان الا قليلا منهم ص ۱۲ ج ۲

سارے عرب قبائل کے لوگ آکر آباد ہوگئے تھے (یعنی) بنو بکر بن وائل والے عبد القیس والے۔ اور ربیعہ قبیلہ کی تمام شاخوں کے لوگ اور قبیلہ ازد کے کندہ والے تمیم والے قضاعہ والے اور ان کے سوا بھی ان لوگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے استفادہ کرنے والے بہت کم تھے۔

جس کا مطلب یہی ہے کہ ان میں زیادہ تر وہی لوگ تھے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دولت سے تو سرفراز ہوئے تھے لیکن ان بے چاروں کو جمال جہاں آرائے محمدی سے اپنی مشتاق آنکھوں کو روشن کرنے کی سعادت میسر نہ آئی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرظہ بن کعب الانصاری کو رخصت کرتے ہوئے جو یہ فرمایا تھا

اذا رأوکم مدوا الیکم اعناقھم وقالوا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ص۲ جمع الفوائد بحوالہ دارمی	جب تمہیں وہ دیکھیں گے تو اپنی گردنیں تمہاری طرف دراز کریں گے اور کہا کریں گے کہ دیکھو! یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں

یہ فاروقی بصیرت تھی جس نے اندازہ کر لیا تھا کہ صحبت نبوت سے محروم رہ جانے والے مسلمانوں کے قلوب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کے جاننے کا ولولہ اور شوق کس طرح بھڑک اٹھے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کو دیکھ کر اپنے پیغمبر کے حالات کے سننے کے لئے بے تابانہ کس طرح دوڑ پڑیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ پیش گوئی کتنی سچ نکلی اس کا اندازہ اسی سے کیجئے کہ صحابہ نہیں بلکہ صحابہ کے دیکھنے والوں کے ساتھ زمانہ ابھی کچھ زیادہ نہیں گذرے تھے کہ ان ہی چھاؤنیوں میں رہنے والے مسلمانوں کے تعلقات کی نوعیت کیا ہو گئی تھی، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشہور شاگرد ثابت البنانی ان لوگوں سے جو ان سے حدیث سننے کے لئے آیا کرتے تھے، کہتے

لولا تصنعوا بی ما صنعتم بالحسن لحدثتکم احادیث مونقة	اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ میرے ساتھ بھی وہی معاملہ تم لوگ نہ کرنے لگو گے جو (خواجہ) حسن بصری کے ساتھ تم ہی لوگوں نے کیا تو میں تم ہی لوگوں سے بہت اچھی اچھی حدیثیں سناتا

پھر حسن بصری کے متعلق اپنی چشم دید شہادت یہ بیان کیا کرتے تھے کہ

منعوہ القائلة ومنعوہ النوم ج۷ ص۱ طبقات ابن سعد حصہ دوم	بے چارے کو لوگ نہ دن ہی کو لیٹنے کا موقع دیتے اور نہ سونے کا،

حسن بصری جو تابعی یعنی صحابۂ کرام کے شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں ان کا یہ حال، پھر ان تابعین کے تلامذہ یعنی تبع تابعین کے حال کا پتہ عبد اللہ بن عون کے جو اسی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اس قول سے ہو سکتا ہے وہ کہا کرتے تھے کہ

قد قطعوا علی الطریق ما اقدر ان اخرج لحاجة یعنی مما یسئلونہ عن الحدیث ص ۲۵ حصہ دوم ابن سعد

لوگوں نے میرا راستہ روک رکھا ہے، کسی ضرورت سے بھی میں نہیں نکل سکتا یعنی لوگ مجھ سے حدیث پوچھنا شروع کر دیتے ہیں۔

سمجھا آپ نے ابن عون کیا کہہ رہے ہیں؟ اپنے پیغمبر کے حالات کے دریافت کرنے والوں کا حال ان کے ساتھ یہ ہو گیا تھا کہ واقعۃً راستہ چلنا ان کے لئے دشوار ہو گیا تھا، پوچھنے والوں کے ڈر کے مارے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا تھا۔

خیال تو کیجئے کہ جب حسن بصری جو خود صحابی نہیں ہیں بلکہ صحابیوں کے دیکھنے والے اور ان سے استفادہ کرنے والوں یعنی تابعین میں شمار کئے جاتے ہیں، اور ابن عون تو تابعی بھی نہیں، تبع تابعین کے طبقہ سے ان کا تعلق ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کی صحبت میں رہنے والے بزرگوں سے فیض حاصل کیا تھا، جب تابعین اور تبع تابعین کی یہ حالت تھی، تو خود اپنی آنکھوں سے جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا، اور براہ راست مجلس نبوی میں حضوری کی سعادت جنہیں میسر آئی تھی، ان کو دیکھ کر ان مسلمانوں کا کیا حال ہو جاتا ہوگا جنہوں نے صرف سنا تھا، لیکن اپنے محبوب پیغمبر (صلوات اللہ علیہ وسلامہ) کو دیکھا نہیں تھا۔

(باقی آئندہ)